فقہائے ہند

جلد پنجم ——— حصّہ دوم

بارھویں صدی ہجری

360

محمد اسحاق بھٹی

اِدارۂ ثقافتِ اسلامیہ
کلب روڈ، لاہور

کی وضاحت کی ہے اور بعض اہم واقعات تحریر کیے ہیں۔ ان واقعات میں سے بعض باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ کتاب کی فارسی عبارتوں کا اُردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

۱۔ جب رفیع الدرجات (جو اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد چوتھا مغل بادشاہ تھا) مہلک مرض میں مبتلا ہوا اور اس کی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی، تو سید عبداللہ خاں قطب الملک کو (جو سادات بارہ میں نہایت اہم شخصیت کے مالک تھے) اس کے جانشین کی فکر ہوئی، خواجہ محمد سلطان اس سلسلے میں مشورے کے لیے شاہ ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، بادشاہ کی اولاد کافی ہے، معلوم نہیں ان میں سے کون تختِ حکومت پر بیٹھے گا۔ شاہ صاحب نے روشن اختر کا نام لیا اور کہا کہ وہ مستقل بادشاہ ہوگا۔ خواجہ محمد سلطان کو اس بشارت سے خوشی ہوئی اور شاہ زادے کو بھی یہ خبر سنا دی، لیکن جب رفیع الدرجات کا انتقال ہوا تو سب نے متفقہ طور پر رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ قول الجلی کے مصنف لکھتے ہیں، یہ بات شاہ صاحب کے لیے تشویشِ خاطر کا باعث ہوئی لیکن پھر بھی بشارت کے ظہور کا انتظار رہا۔ آخر چند روز بعد رفیع الدولہ کا انتقال ہوگیا اور شاہ صاحب کی بشارت پوری ہوئی۔ روشن اختر جس کا لقب محمد شاہ ہے تختِ سلطنت پر بیٹھا۔[۳۴ھ]

۲۔ جب سید محمد عبداللہ خاں قطب الملک مذکور نے، محمد شاہ کی زندگی میں سلطان ابراہیم کو تختِ دہلی پر بٹھایا اور محمد شاہ سے جنگ کا ارادہ کیا تو خواجہ سلطان محمد پھر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اس جنگ میں کون کامیاب ہوگا؟ محمد شاہ یا ابراہیم؟ شاہ صاحب نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد فرمایا:

مجھے اس طرح دکھایا گیا ہے کہ عبداللہ خاں کی تمام فوج منتشر ہوگئی ہے اور اس کا ہاتھی تنہا میدان میں کھڑا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فوج کو شکست

۳۴ھ قول الجلی ص ۶۴

Marfat.com

ہوگی اور محمد شاہ فتح یاب ہوگا۔ پھر جب دونوں میں جنگ ہوئی تو وہی ظہور میں آیا جس کی شاہ صاحب نے پیش گوئی فرمائی تھی [۳۵]

۳۔ ایک شخص نے شاہ صاحب کی خدمت عرض کیا کہ فلاں مہینے میں سلطنتِ مغلیہ میں انقلاب آجائے گا، آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا، اس وقت تو کوئی چیز معلوم نہیں ہو رہی، جب کچھ معلوم ہوگا، بتا دیا جائے گا۔ دوسرے دن فرمایا۔ "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک اونچا دروازہ ہے، جس پر محمد شاہ اور دو اور شخص بیٹھے ہیں۔ میں بھی وہاں موجود ہوں۔ اتنے میں ایک شخص محمد شاہ کے معزول ہونے کی خبر سناتا ہے اور اس کو ایذا پہنچانا چاہتا ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ اس کو معزول کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی محمد شاہ سے کہتا ہوں کہ یہ شخص تیرا دشمن ہے، اس کو ختم کر دے۔ محمد شاہ کی کمر میں ہتھیار بندھے ہوتے ہیں، لیکن حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور وہ اس شخص سے خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ شخص بھی محمد شاہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے لیکن ڈر محسوس کرتا ہے۔ بالآخر محمد شاہ اس مجلس میں محفوظ رہتا ہے"۔ یہ خواب بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں انقلابِ سلطنت ہرگز نہ ہوگا" [۳۶]

۴۔ قول الجلی میں دہلی پر نادر شاہ کے حملے کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک دن شاہ صاحب نے فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا ایک دریا امنڈا آرہا ہے، اور بڑے بڑے حوادث پیش آنے کے آثار نظر آرہے ہیں۔ پھر جو کچھ فرمایا، اس کا ترجمہ یہ ہے:

آباد بستیاں تباہ اور برباد ہو جائیں گی اور ایسی آفت آئے گی کہ ارکانِ سلطنت

۳۵ھ قول الجلی ص ۶۵

۳۶ھ ایضاً ص ۸۳

Marfat.com

اس کا علاج نہ کر سکیں گے . . . اور ایسا بھی نظر آتا ہے کہ دہلی شہر جو ملک کا دارالسلطنت ہے، زیادہ تر وہی آفات کی زد میں ہے[۳۷]

۱۱۴۸ھ کے سال کا آغاز ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ ان مصائب کا وقت قریب آگیا ہے، جن سے آباد شہر ویران اور بستے ہوئے دیہات وقصبات تباہی سے ہم کنار ہو جائیں گے، اور شہر دہلی بالخصوص ان مصائب کا ہدف بنے گا چنانچہ اس زمانے میں اتنی بارش ہوئی کہ مضبوط تر محل (قصور مشیدہ) گر گئے اور ملک کی بہت بڑی آبادی مصیبتوں کے خوف ناک ریلے میں آگئی۔ اسی زمانے میں "غنیم دکھنی" (مرہٹوں) نے حملہ کیا اور شاہی عساکر کی موجودگی کے باوجود وہ دہلی کے قریب پہنچ گیا اور اس کو تباہ کرنے کا عزم کیا۔

دریا کے کنارے سخت مقابلہ ہوا، کثیر تعداد میں لوگ مارے گئے۔ بہت بڑی جنگ اور تباہی کے بعد اس مصیبت سے نجات حاصل ہوئی۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے بعض عقیدت مندوں نے دریافت کیا کہ جس مصیبت کا خطرہ تھا، کیا وہ گزر گئی؟ فرمایا، نہیں، وہ تو آنے والی ہے۔

انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ شاہ نور اللہ، دہلی کے شاہی بازار ("سوق سلطانی") میں کچھ چیزیں خریدنے کے لیے گئے۔ واپس آئے تو شاہ صاحب نے پوچھا:

حالِ اہلِ بازار چگونہ دیدید؟

بازار کے لوگوں کو کس حال میں دیکھا؟

انھوں نے جواب دیا کہ ابھی تک تو محفوظ ہیں لیکن سب پر وحشت سی چھائی ہوئی ہے — یہ سن کر شاہ صاحب نے کہا:

ایں بازاریہا بلسانِ حال می گویند کہ دریں جا جوہائے خون رواں شوند[۳۸]

۳۷ھ قول الجلی ص ۹۰۔

۳۸ھ ایضاً، ص ۹۱

Marfat.com

یہ بازار زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ یہاں خون کے دریا رواں ہوں گے۔

اگرچہ اس وقت یہ ظاہر کوئی خاص خطرہ نظر نہ آتا تھا لیکن شاہ صاحب کے ان الفاظ سے لوگوں میں اضطراب اور بے چینی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس سے تقریباً ایک سال بعد دہلی پر نادر شاہ کا حملہ ہوا۔

نادر شاہ کا حملہ اہلِ دہلی کے لیے نہایت الم ناک فتنہ تھا، جس سے تباہی اور بربادی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ "قول الجلی" کے بیان کے مطابق نادر شاہ "ہزاراں ہزار" افراد کے سفاک ہجوم کے ساتھ ملک کے شہروں اور قصبوں کو روندتا ہوا کرنال پہنچا اور محمد شاہ اس کے مقابلے میں آیا۔ اس زمانے میں کچھ لوگوں نے شاہ صاحب کو خطوط لکھے اور دریافت کیا کہ اب کیا ہوگا۔ آپ نے جواب دیا کہ بہت بڑی مصیبت آئے گی، لیکن محمد شاہ بہ دستور اپنی جگہ پر قائم رہے گا۔

اس لڑائی میں محمد شاہ کے ۵۲ ہاتھی مارے گئے اور لشکر کا خاصا بڑا حصہ تباہ ہوگیا۔ جو لوگ باقی بچے ان پر اتنا رُعب چھا گیا کہ اِدھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" میں "قول الجلی" کی یہ عبارت درج ہے:

و باقی ماندگان را عساکرِ قزلباش محصور ساختند، دریں میاں عالمی از گرسنگی جان بداد، و سلطان و وزیر ہر دو اسیر شدند۔[۵۳۹]

یعنی جو باقی بچے ان کو عساکرِ قزلباش (افغانوں) نے گھیرے میں لے لیا، ان دنوں بہت سے لوگوں نے بھوک کی شدت سے جان دے دی۔ بادشاہ اور وزیر دونوں پکڑ لیے گئے۔

وہاں سے چل کر نادر شاہ دہلی میں داخل ہوا۔ اور تیسرے دن اس نے قتلِ عام کا حکم دیا۔ صبح سے لے کر تین گھڑی دن گزرنے تک اس کے تیس ہزار سواروں نے

---

۵۳۹ قول الجلی ص ۹۲

Marfat.com

قتل وغارت کا بازار گرم کیے رکھا۔ شیخ محمد عاشق پھلتی افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں :

ہر جان داری کہ یافتند از انسان وحیوان ہمہ را بہ تیغ کشیدند تا سگ وگربہ را ہمدراں میاں نگزاشتند وشہر را آتش دادہ بازار ہا را وکوشکہا را بسوختند۔۔۔ از کشتگان پشتہ ہا برپا شدند، ودر بازار ہا خصوصاً در سوق سلطانی کہ بہ چاندنی چوک مشہور است جوہائے خون رواں گردید[۴۰]

(نادر شاہ کے فوجی) جس جان دار کو پاتے، وہ انسان ہوتا یا حیوان اسے قتل کر دیتے۔ یہاں تک کہ انھوں نے کتّوں اور بلّیوں کو بھی نہ چھوڑا، شہر کے بانادوں اور مکانوں کو آگ لگادی، اور مقتولوں کے ڈھیر لگ گئے۔ سوقِ سلطانی میں جو چاندنی چوک کے نام سے مشہور ہے، خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

شہر دہلی کی حالت اس زمانے میں انتہائی ابتر تھی۔ نہ اس میں کوئی داخل ہو سکتا نہ اس سے باہر جا سکتا تھا۔ نہ کھانے کی کوئی چیز میسّر تھی نہ عام استعمال کے لیے کچھ حاصل ہوتا تھا۔ ہزاروں آدمی بھوک سے بے تاب ہو کر مر گئے تھے۔ گلی کوچے لاشوں سے اَٹے پڑے تھے، ان کو دفن کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ان کی عفونت سے بے شمار لوگ دم توڑ گئے تھے۔ ملکی حالات اس قدر بگڑ گئے تھے کہ مغل حکومت کے باقی رہنے کا بھی کسی کو یقین نہ تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ نادر شاہ دہلی کو لُوٹ کر تمام نئے اور پُرانے خزانے اپنے ساتھ لے گیا، اور شاہ صاحب نے اپنی سیاسی بصیرت کی بنا پر جو یہ پیشین گوئی کی تھی کہ محمد شاہ بہ حیثیت بادشاہ کے موجود رہے گا، وہ پوری ہوئی۔

اس ہنگامہ خیز اور الم ناک دَور میں شاہ صاحب کے بہت سے عقیدت مندوں نے ان کو خطوط لکھے اور دعا کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے سب کو تسلی دی، اور لکھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں، تمام متعلقین محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی

---

[۴۰] قول الجلی، ص ۹۳

Marfat.com

ہوا، ان کے سب متعلقین و معتقدین بھی محفوظ رہے اور ان کا محلہ بھی اللہ کے فضل سے محفوظ رہا۔

۵۔ شاہ ولی اللہ کے زمانے میں احمد شاہ ابدالی نے ہندستان پر جو مسلسل حملے کیے، ان کا ذکر "القول الجلی" میں شیخ محمد عاشق پھلتی نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔ ان حملوں کے ملک کی سیاسی فضا پر جو اثرات مرتب ہوئے اور جو نتائج نکلے، ان کی نشان دہی بھی کی ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" کے مقدمے میں اسے خاصی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دہلی میں اس سے جو اضطراب پھیلا اور بے چینی پیدا ہوئی، قول الجلی کے حوالے سے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً شاہ صاحب کے حلقۂ تعلقات کے بعض بزرگوں ـــ خواجہ حبیب اللہ کشمیری اور عمر خاں قصوری ـــ نے ان سے پوچھا کہ اس دور پُر آشوب میں ہم اپنا مال و اسباب کہاں منتقل کریں اور اپنی حفاظت کے لیے کیا قدم اٹھائیں؟ شاہ صاحب نے نہایت اطمینان سے جواب دیا:

ما و ہمہ مخلصانِ ما بلکہ تمام اہلِ شہر دریں شور و فتنہ انشاء اللہ محفوظ خواہیم ماند و خدائے تعالیٰ لطیفہ خواہد پیدا کرد کہ امن از جمیع وجوہ ظہور خواہد آمد۔[۱]

ہم اور ہمارے مخلصین بلکہ تمام باشندگانِ دہلی اس فتنے میں محفوظ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ایسی صورت ظاہر فرما دے گا کہ امن کی فضا پیدا ہو جائے گی۔

شیخ محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور باشندگانِ دہلی محفوظ رہے۔

یہ انتہائی فتنہ خیز دور تھا، ہر طرف ہنگامے بپا تھے اور ملک کی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی۔ مرہٹوں نے بالخصوص بہت طاقت پیدا کر لی تھی اور وہ سلطنتِ مغلیہ کے لیے زبردست مصیبت بن گئے تھے۔ ان کی طاقت کو

---

[۱] قول الجلی، ص ۶۰

Marfat.com

پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی نے ختم کیا۔ احمد شاہ ابدالی یکم نومبر ۱۷۶۰ء کو پانی پت کے میدان میں پہنچا، اس سے دو روز پہلے ۲۹ اکتوبر ۱۷۶۰ کو مرہٹہ جرنیل سداشیو راؤ بھاؤ پانی پت کے میدان میں اپنی فوجیں اتار چکا تھا۔ ابدالی کی افغان فوجوں اور مرہٹوں کے درمیان ڈھائی مہینے تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا بالآخر ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو ابدالی نے شدید جنگ کے بعد مرہٹوں کو شکستِ فاش دی، سداشیو راؤ بھاؤ اور پیشوا کا بیٹا وشواس راؤ میدانِ جنگ میں مارے گئے، اور بقول ایک مورخ کے مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اُڑ گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ مرہٹوں کی اس بہت بڑی طاقت کا جس نے ہندوستان کی مغل حکومت کو انتہائی پریشان کر رکھا تھا، اس جنگ کے نتیجے میں ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود مرہٹوں کے مرکز میں کوئی گھر ایسا نہ تھا، جس میں صفِ ماتم نہ بچھ گئی ہو، مرہٹہ لیڈروں کی ایک پوری نسل ایک ہی معرکے میں صفحۂ ہستی سے غائب ہو گئی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اس دور کے ہندوستان کے سیاسی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ "پانی پت کا میدانِ کارزار حقیقت میں شاہ ولی اللہ کا سجایا ہوا تھا"[۱۴۲]

شاہ صاحب نے ملک کی سیاسی ابتری کو ہدفِ فکر ٹھہرایا تو اس کی اصلاح کے لیے ان کی نظر دو شخصیتوں پر پڑی۔ ایک ملک سے باہر احمد شاہ ابدالی پر، دوسرے ملک کے اندر نجیب الدولہ پر! احمد شاہ ابدالی اپنی دیگر خوبیوں کے ساتھ اس خوبی کا بھی مالک تھا کہ تمام افغان فوج اس کے زیرِ کمان تھی، اور نجیب الدولہ میں یہ صفت پائی جاتی تھی کہ روہیلوں کی عسکری طاقت اس کے تابع فرمان تھی۔ اپنے مکتوبات میں شاہ صاحب نجیب الدولہ کو بے حد اہمیت دیتے ہیں اور اسے "رئیس الغزاۃ" اور

---

[۱۴۲] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص ۴۲

"راس المجاہدین" کے پُر عظمت خطاب سے مخاطب فرماتے ہیں۔

ملک کے انتہائی بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کے لیے ان دو شخصیتوں کا انتخاب شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت پر دلالت کرتا ہے۔ روہیلوں کی جنگی صلاحیت اور فوجی قوت سب کے نزدیک مسلمہ تھی۔ ان کا رہنما نجیب الدولہ بھی عظیم سیاسی مدبر، بہادر سپاہی اور دُور اندیش جرنیل تھا۔ شاہ صاحب نے اپنے وقت کی ان دو ممتاز شخصیتوں کو ایک ہی مقصد کی تکمیل کے لیے متعین کر کے انتہائی حقیقت شناسی کا ثبوت بہم پہنچایا۔

بہرکیف شاہ ولی اللہ صاحب کا ذہن سیاسی لحاظ سے بہت زرخیز تھا۔ انھوں نے اس بات کی کھل کر وضاحت کی ہے کہ ملک کی سیاسی ترقی کا راز پانچ چیزوں میں مضمر ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ ملکی خزانے میں کسی موقعے پر بھی کمی واقع نہ ہو۔ خزانہ ہر آن بھرپور رہنا چاہیے، تاکہ افواجِ شاہی اور تمام ملازمینِ سلطنت کی تنخواہیں بروقت ادا ہوتی رہیں، اور حکومت کی مخالفت کا کوئی خطرہ کسی طرف سے باقی نہ رہے۔

۲۔ ملک میں جاگیرداروں کی کثرت نہیں ہونی چاہیے، ان کی تعداد جہاں تک ممکن ہو، کم کر دینی چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی بہت سی جاگیرداریوں کی بنا پر زمین چھوٹے چھوٹے قطعوں کی شکل میں بے شمار حصوں میں بٹ جاتی ہے جاگیر کے رقبے میں اضافے کی وجہ سے مرکزی حکومت کا استحکام متاثر ہوتا ہے، اور وہ جاگیرداروں کے رحم و کرم کی محتاج ہو جاتی ہے۔ جاگیریں جتنی زیادہ ہوں گی اسی قدر حکومت کے نظم و نسق کا ڈھانچہ کمزور ہو گا اور کاشت کار پریشانی میں مبتلا ہوں گے، جس سے ملکی سیاست کے مجروح ہونے کے امکانات اُبھریں گے۔

۳۔ ملک کے تمام گروہوں کو اعتدال میں رکھا جائے۔ کسی گروہ کی کسی معاملے میں اس طرح اجارہ داری نہیں ہونی چاہیے کہ وہ معاشرے کے کمزور افراد کو مالی یا

Marfat.com

ذہنی تکلیفوں میں مبتلا کر دے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ملک کے سیاسی حالات مستحکم نہیں رہ سکیں گے۔

۴۔ ملک کی فوج بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ملکی سرحدوں کی حفاظت کا عظیم فرض فوج ہی سرانجام دیتی ہے۔ اس کی تنخواہیں باقاعدگی کے ساتھ وقت پر ادا کی جائیں۔ اسے کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہونے دی جائے۔

۵۔ خالصہ کا علاقہ محدود نہ رکھا جائے، جہاں تک ہو سکے اسے وسیع کیا جائے۔

"خالصہ" اس علاقے کو کہا جاتا تھا، جو براہ راست بادشاہ کے ماتحت ہوتا تھا۔ یعنی "خالصہ" سے مراد وہ علاقہ ہے جو مرکزی حکومت کے انتظام یا اختیار میں ہو۔ دورِ بادشاہت میں علاقہ خالصہ کے محاصل اپنے مقرر کردہ حکام کے ذریعے خود بادشاہ وصول کرتا تھا۔ اس کے برعکس جاگیر کا علاقہ وہ کہلاتا تھا جس کے محاصل جاگیردار وصول کرتے تھے اور جس کا مرکزی حکومت سے براہِ راست کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔

دہلی کے تختِ حکومت پر جتنے بھی بڑے بڑے حکمران متمکن ہوئے ہیں وہ سب اس کوشش میں رہتے تھے کہ خالصہ کے علاقے میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے، کیوں کہ اگر خالصہ کا علاقہ زیادہ ہوتا اور اس سے معقول آمدنی ہوتی تو بادشاہ آمدنی کے لحاظ سے صوبائی گورنروں اور علاقائی جاگیرداروں کا محتاج نہیں ہوتا تھا، مرکزی دفاتر اور بادشاہ کے محل کے اخراجات کے لیے جس قدر رقم کی ضرورت ہوتی، وہ برابر اس علاقے سے بادشاہ کو وصول ہوتی رہتی جو براہِ راست بادشاہ کے قبضے میں ہوتا تھا، اور اس علاقے کو "خالصہ" سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اگر کبھی صوبائی حکومتیں یا بعض علاقوں کے جاگیردار بادشاہ سے بغاوت بھی کر دیتے اور محاصل ادا کرنے سے انکار کر دیتے، جب بھی خالصہ کی آمدنی سے مرکزی حکومت

کے اخراجات بلاکسی تکلیف کے پورے ہوتے رہتے تھے۔

ظہیرالدین بابر کے حالات میں کتبِ تاریخ میں مرقوم ہے کہ جب اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور اس پر حکومت کرنے لگا تو مختلف حاکموں کو اس نے جاگیریں عطا کیں، لیکن "خالصہ" میں اضافے کا پورا خیال رکھا۔ کہتے ہیں، اس نے بہار کی جاگیر ایک شخص محمد زمان کو دی، لیکن ایک کروڑ پچیس لاکھ کے محاصل کے علاقے کو خالصہ قرار دے دیا۔

شاہ ولی اللہ نے خالصہ کے علاقے میں اضافے پر جو زور دیا اور اسے مرکزی حکومت کے استحکام کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں اس میں بہت کمی واقع ہوگئی تھی اور جاگیرداروں کا سلسلہ برابر بڑھتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ صوبۂ دہلی کے دیہات اور بعض دوسرے صوبوں کے گاؤں جو پہلے خالصہ میں شامل تھے، اور جن سے بادشاہ کے مرکزی دفاتر اور ذاتی ملازموں کی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں، سب کے سب ہاتھ سے نکل گئے تھے۔

سہارن پور، جس کے محاصل جاگیرداروں کو دے دیے گئے تھے، نجیب خاں روہیلہ کے قبضے میں آگیا تھا۔ آگرے کے گرد و نواح کے علاقے جاٹوں کے انتظام میں تھے، جے پور کے مادھو سنگھ نے نارنول وغیرہ کے علاقوں پر تسلط جما لیا تھا، اسی طرح اور بھی بعض جاگیرداروں نے خالصہ کے علاقوں کو اپنے قبضے میں کرکے بادشاہ کو مالی اعتبار سے اس درجے بے بس کر دیا تھا کہ بعض دفعہ فوجیوں اور ملازموں کی تنخواہیں ادا کرنا بھی اس کے لیے انتہائی مشکل ہو جاتا تھا۔

شاہ صاحب کی فراست اور سیاسی بصیرت ملاحظہ ہو کہ وہ اپنے ان خطوط میں جو انھوں نے بادشاہوں، وزیروں اور مملکت کے امیروں کے نام تحریر کیے صاف لفظوں میں مشورہ دیتے ہیں کہ "خالصہ" کے علاقے کو اس قدر وسیع ہونا چاہیے کہ دہلی کے گرد و نواح کا پورا علاقہ خالصہ میں شامل ہو، پھر وہاں سے وہ آگرہ، حصار، دریائے گنگا اور بہ ہند تک ممتد ہوتا چلا جائے۔ اس کے لیے

Marfat.com

ان کے الفاظ قابلِ مطالعہ ہیں، فرماتے ہیں:

خالصہ را کشادہ تر باید ساخت، خصوصاً آنچہ گرد اگرد شاہجہان آباد است تا اکبر آباد و تا حصار و تا دریائے گنگ تا حد حدود سہرند، ہمہ اش یا اکثرش خالصہ شریفہ باشد کہ موجب ضعفِ امورِ سلطنت کمیِ خالصہ و قلتِ خزانہ است[۴۳]

علاقہ خالصہ کو وسیع تر کرنا چاہیے، خصوصاً وہ علاقہ جو دہلی کے اردگرد واقع ہے، آگرہ، حصار، اور دریائے گنگا اور حدودِ سرہند تک کا تمام تر علاقہ یا اس کا اکثر علاقہ خالصہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ امورِ سلطنت میں ضعف کا باعث خالصہ کی کمی اور خزانے کی قلت ہوتی ہے۔

شاہ صاحب کی بلندیِ فکر کا اندازہ کیجیے کہ مرکز کے استحکام کے لیے وہ اربابِ حکومت اور بادشاہ کو صاف لفظوں میں مشورہ دیتے ہیں کہ چھوٹے منصب داروں کو جاگیریں نہ دی جائیں، اور علاقہ خالصہ کو وسعت دی جائے، تاکہ مرکزی حکومت میں کمزوری کے آثار نمودار نہ ہوں۔

بہرحال شاہ صاحب نے حکومت کے استحکام اور سیاسی ترقی کے لیے جو یہ پانچ اصول بیان کیے ہیں، وہ بلاشبہ اپنی جگہ بڑے اہم اور ان کی بے پناہ سیاسی بصیرت کے عکاس ہیں۔

مکتوبات

شاہ ولی اللہ صاحب کے افکارِ عالیہ میں ان کے مکتوبات بھی شامل ہیں، جو انھوں نے مختلف مواقع پر ہند اور بیرونِ ہند کے متعدد حضرات کے نام تحریر فرمائے۔ یہ مکتوبات عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہیں، اور ایک مستقل علمی ذخیرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں بعض خطوط تو وہ ہیں جو انھوں نے اپنے بعض اساتذہ کی خدمت میں ارسال کیے۔ بعض اس دور کے علما و زعما کو تحریر فرمائے۔

---

[۴۳] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مکتوب اوّل ص ۴۔

Marfat.com

بعض خطوط مختلف مسائل دریافت کرنے اور ضروری معاملات کے متعلق استفسار کرنے والوں کو لکھے۔ بعض خطوط بالکل علمی، مذہبی اور خالص فقہی نوعیت کے ہیں اور بعض کا تعلق ذاتی اور نجی قسم کے معاملات سے ہے۔ ان میں بیالیس خطوط سیاسی نوعیت کے ہیں جو پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مرتب کر کے شائع کر دیے ہیں۔ ان خطوط میں ایک خط ایک مغل بادشاہ کے نام ہے، کچھ وزرائے سلطنت اور اسرائے مملکت کے نام ہیں، کچھ خطوط ملک کی بعض اہم شخصیتوں کے نام ہیں اور ایک طویل خط افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کے نام ہے۔ اس خط میں شاہ صاحب نے اس دور کے ہندوستان کے سیاسی حالات، تاریخی واقعات اور قابلِ اصلاح امور کی وضاحت کی ہے، اور سلطنت کے امراء وزراء کی سازشوں اور باہمی رقابتوں کا ذکر کیا ہے۔ نیز مرہٹوں، جاٹوں اور دیگر قوموں نے ملک میں جو اودھم مچا رکھا تھا، اس کی ضروری تفصیلات بیان کر کے احمد شاہ ابدالی سے درخواست کی ہے کہ وہ صورتِ احوال کی اصلاح کے لیے مضبوط قدم اٹھائے۔ چنانچہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا کہنا ہے کہ اس خط کے بعد احمد شاہ ابدالی نے جو پہلے کئی بار ہندوستان پر حملے کر چکا تھا، پھر ہندوستان کا رُخ کیا اور پانی پت میں مرہٹوں سے زبردست جنگ کی۔ اس جنگ میں مرہٹوں کو احمد شاہ کے مقابلے میں شکستِ فاش سے دوچار ہونا پڑا۔ نظامی صاحب لکھتے ہیں:

اس خط کے نتیجے میں پانی پت کا میدانِ کارزار سجا۔ اس جنگ کی تاریخی اہمیت سے تاریخ کا ہر طالبِ علم واقف ہے۔ لیکن یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مدرسہ رحیمیہ کا ایک مدرس اس تاریخی جنگ کے نقشے تیار کر رہا تھا۔ اس خط کے مطالعے کے بعد شاہ صاحب کی سیاسی خدمات کا ایک اہم پہلو روشن ہو جاتا ہے[۱]

بیالیس مکتوبات کے اس مجموعے میں سولہ خط شیخ محمد عاشق پھلتی کے نام ہیں۔

---

[۱] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۵۴

یہاں شیخ محمد عاشق پھلتی کا تعارف کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ شیخ ممدوح بارھویں صدی ہجری کے ایک مشہور بزرگ تھے جو شاہ ولی اللہ کے ماموں شیخ عبید اللہ صدیقی کے بیٹے تھے۔ موضع پھلت (ضلع مظفر نگر ہندوستان) کے باشندے تھے۔ اپنے عہد کے جید عالم اور متقی تھے۔ عرصے تک شاہ صاحب کی صحبت و رفاقت میں رہے اور ان سے خوب استفادہ کیا۔ ۱۱۴۳ھ میں شاہ صاحب حجاز مقدس گئے تو یہ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ ان کی علمی رفعت اور سلوک و طریقت میں درک کا یہ عالم تھا کہ شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین نے ان سے فیض حاصل کیا اور ان کی زبانی اپنے جلیل القدر باپ — حضرت شاہ ولی اللہ — کے معارف و تصوف سے متمتع ہوئے۔ سبیل الرشاد، قول الجلی اور شرح دعا۔ الاعتصام ان کی تصانیف ہیں۔ ۱۱۸۷ یا ۱۱۸۸ھ میں فوت ہوئے۔

بہر حال شاہ ولی اللہ اپنے دور کی عظیم شخصیت تھے۔ ان کے افکار و خیالات کا سلسلہ نہایت وسعت پذیر تھا۔ وہ جس مسئلے پر گفتگو کرتے اور جس معاملے کو موضوعِ بحث ٹھہراتے، اس کے تمام پہلوؤں کو واضح اور منقح کرتے جاتے۔ اس کا اندازہ ان کے مکتوبات سے بھی ہوتا ہے، جس طرح وہ اپنی تصانیف میں پورے زور اور دلائل سے بات کرتے ہیں، مکتوبات میں بھی انھوں نے اسی اسلوبِ انشا اور طرزِ ادا کو برقرار رکھا ہے۔ قلم میں وہی زور، استدلال میں وہی قوت، الفاظ کے انتخاب میں وہی احتیاط اور بیان و کلام میں وہی اعتدال ہے، جو ان کی باقاعدہ تصانیف کا طرۂ امتیاز ہے۔

شعر و شاعری

شاہ ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوصاف و کمالات سے نوازا، اور علم و فضل کے متعدد گوشوں سے مالا مال کیا تھا، ان میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ شعر و

Marfat.com

شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے اور بہت عمدہ شعر کہتے تھے، آمین تخلص کرتے تھے۔ عربی اور فارسی میں ان کے اشعار کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے، ان کی متعدد غزلیں اور رباعیاں معرفت و تصوف کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃِ نبی است — واللہ کہ سیرابی از و تشنہ لبی است
جائیکہ بود جلوۂ حق حاکمِ وقت — تابع شدن حکم خرد بولہبی است

"نخستین بادہ کاندر جام کردند"[۴۵] — مزاجش عکس آں گلفام کردند
شرابِ وحدت از خمخانۂ غیب — مرا صبح ازل در کام کردند
چو غلطیدم ز مستیہا بہر سُو — حریفاں مستی از من وام کردند

ولی وامم ز خود عالی حبابش میتواں گفتن — درو کیفیتِ جوش شرابش میتواں گفتن
وجودِ بے نمود معنی نادیدنی دارد — درین نیرنگہا بوئے عبابش میتواں گفتن
سویدای دل ما یابی اندر پیچ و تابِ او — نفوسِ عالم ام الکتابش میتواں گفتن
فرو پاشید از ہم کثرتِ موہوم چوں شبنم — ز فیضِ معنیٔ ما آفتابش میتواں گفتن

غزل کے چند شعر پڑھیے:

تا بکے محنتِ مہجوری و دوری باشم — نازنینِ وطنم سوئے وطن باز روم
تا بکے با خس و خاشاک بود صحبتِ من — صدرِ بزمِ چمنم سوئے چمن باز روم
تا بکے ہمدمیِ سنگ شود شیوۂ من — گوہرے از عدنم سوئے عدن باز روم
تا بکے بستۂ زنجیرِ تعلق باشم — آہوئے از ختنم سوئے ختن باز روم
بوئے جانم برسد از بادِ یمن در دو جہاں — شاہ ملکِ یمنم سوئے یمن باز روم

[۴۵] یہ مطلع صوفی شاعر فخر الدین ابراہیم عراقی (۶۱۰ھ - ۶۸۸ھ) کی ایک غزل کا ہے۔ دوسرا مصرع یہ ہے: "نخستین جرعہ ریزِ خاکِ ما کردند"۔ شاد صاحب نے اس کا دوسرا مصرع تو صحیح لکھا ہے لیکن تذکرہ نگار نے اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا جس سے عام قارئین کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ مطلع شاد صاحب کا

Marfat.com

چند شعر عربی کے ملاحظہ فرمائیے:

کان نجوما اومضت فی الغیاھب عیون الافاعی اورؤس العقارب
ثلٰث خصال من تعاجیب ربنا نجابۃ اعقاب لوالد طالب
خلافۃ عباس و دین نبینا تزاید فی الاقطار من کل جانب
یؤید دین اللہ فی کل دورۃ عصائب تتلو مثلھا من عصائب
فمنھم رجال یدفعون عدوھم بسمر القنا والمرھفات القواضب
ومنھم رجال یغلبون عدوھم باقوی دلیل مفحم للمغاضب
ومنھم رجال بینوا شرع ربنا وما کان فیہ من حرام و واجب
ومنھم رجال یدرسون کتابہ بتجوید ترتیل وحفظ مراتب
ومنھم رجال فسروہ بعلمھم وھم علمونا مابہ من غرائب
ومنھم رجال بالحدیث تولّعوا وما کان فیہ من صحیح وذاھب
و منھم رجال مخلصون لربھم بانفاسھم خضب البلاد الاجادب
ومنھم رجال یھتدی بلحاظھم قیام الی دین من اللہ واصب
علی اللہ رب الناس حسن جزائھم بمالا یوافی عدہ ذھن حاسب
فمن شاء فلیذکر جمال نبیہ ومن شاء فلیغزل بحب الربائب
سأذکر حبّی للحبیب محمد اذا وصف العشاق حب الحبائب

اذا اُخبِرتَ یوما عن ضیاء فلا تلھج ببدر او ذکاء
وان تمدح بجود او سمو فلا تنظر لجود او سماء
وان لابد تمدح ذا معال فحسبک مدح خیر الانبیاء
وان تمدح رسول اللہ یوما فحاذر ان تقصر فی الثناء

عربی اور فارسی میں ان کے بہت سے اشعار کا پتا چلتا ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر صرف چند شعر درج کیے گئے ہیں:

Marfat.com

آخری مرض اور وفات

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۷۶ھ کے محرم کی آخری تاریخ کو ہفتے کے دن باسٹھ سال عمر پاکر دہلی میں انتقال فرمایا۔ ان کے آخری مرض اور وفات کے وقت رائے بریلی کے ایک نامور بزرگ سید محمد نعمان حسنی جو حضرت سید احمد شہید کے اسلاف میں سے تھے، ان کے پاس موجود تھے، انھوں نے رائے بریلی ہی کے اپنے ایک عزیز سید ابوسعید حسنی کو اس کی بعض تفصیلات ایک مکتوب میں تحریر فرمائی تھیں، یہ مکتوب فارسی میں ہے۔ یہاں اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ سید محمد نعمان اور سید ابوسعید دونوں شاہ صاحب کے مخلصین میں سے تھے:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ شانہٗ کے نام کے ساتھ — سب تعریف اللہ کی ہے اس کی نعمتوں پر، رضا بالقضا کے حصول پر، مصیبت و تکلیف میں صبر حاصل ہونے پر، اور درود و سلام سید الشاکرین، زبدۃ الراضین، قدوۃ الصابرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ پر، اور آپ کے آل و اصحاب پر جو کہ طیب و طاہر تھے، اور آپ کے وارثین یعنی علمائے راسخین اور اولیائے مرشدین پر، یہ سلسلہ قیام قیامت تک جاری رہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ امام سنت، مقتدائے ارباب کرامت، پیشوائے عرفائے زمان، سرآمد اولیائے جہان، قطب زمانی، محبوب سبحانی سیدنا و مرشدنا ولی اللہ فاروقی مجدد وقت رضی اللہ عنہ کے انتقال پُرملال کا واقعہ اگر تفصیل سے لکھا جائے تو ہم جیسے غم زدہ لوگوں کے لیے عین مناسب ہے:

چہ بخاطر رسید یارم را
کہ بہ ہجراں کشید کارم را

(یعنی ہمارے دوست کے دل میں کیا آیا کہ ہمیں فراق و مہجوری میں مبتلا کر گیا)

واضح ہو کہ اللہ کی شان بے نیازی کا یہ عجب معمول ہے کہ جس کی موت کا [illegible]

Marfat.com

(اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی اور پسندیدہ ہوکر واپس جا) کی ندا دی گئی اور اہلِ بدعت وضلالت کو خوش اور اصحابِ دین کو اندوہ گین کر دیا گیا۔ یعنی ہفتے کے دن ظہر کے وقت، محرم کی آخری تاریخ ۱۱۷۶ھ کو حکمِ خداوندی سے حضرت کے طائرِ روح نے قالبِ عنصری سے پرواز کرکے اوجِ علیین میں اپنا نشیمن بنا لیا۔ آپ کی مفارقت سے آپ کے احباب و رفقا کی حالت ایسی خستہ و خراب تھی کہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتی — انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم سے اس عاصی کو حضرت (شاہ ولی اللہ) رحمۃ اللہ علیہ کی کشش نے اپنی طرف کھینچا، چنانچہ ماہ ذی قعدہ (۱۱۷۵ھ) میں بڈھانہ جاکر آستانہ بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، اور آپ کی صحبتِ اقدس سے شرف یاب ہوا۔ بڈھانہ سے ۹ ذی الحجہ (۱۱۷۵ھ) کو آپ بغرضِ علاج دہلی تشریف لائے اور بابا فضل اللہ کے مکان پر مسجد روشن الدولہ کے احاطے میں جو چوک سعد اللہ خاں میں واقع ہے، فروکش ہوئے۔ فرزندانِ گرامی قدر میں سے میاں محمد صاحب، میاں عبدالعزیز اور میاں رفیع الدین مدظلہم العالی، اور اقربا و تلامذہ میں سے میاں محمد عاشق صاحب، میاں اہل اللہ صاحب، میاں محمد فائق، میاں محمد جواد اور خواجہ محمد امین وغیرہ حاضرِ خدمت تھے۔

یہ غلام (یعنی سید محمد نعمان حسنی) میر محمد عتیق اور میر قاسم علی جنھوں نے حضرت کے آخری ایام میں شرفِ بیعت حاصل کیا تھا، ہر روز خدمت گاری کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے رہتے تھے۔

مشفقِ من! یہ آخری مجلسیں بھی عجیب پُرکیف اور پُرفیض تھیں نفحاتِ اُنس و رحمت اور رشحاتِ قدس و برکت بارش کی طرح برستے تھے۔ اکثر اہلِ نسبت حضرات اپنے وجدانِ صحیح سے اس صورتِ حال کو محسوس کرتے تھے۔ اہل اللہ اور عارف تو ہمیشہ اور ہر زمانے میں ہوتے ہیں، مگر ایسا مردِ حقانی

Marfat.com

جو جمیع اوصافِ حمیدہ کا حامل اور کتاب وسنت کا مجتہدانہ شان سے عالم ہو، نیز حقائق ومعارف میں بحرِ مواج اور دیگر علوم میں دریائے زخار ہو، صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے:

دور ہا باید کہ تا یک مرد صاحب دل شود
بایزید اندر خراساں یا سہیل اندر یمن

... یہ بات بھی لائق تعریف ہے کہ حضرت مرحوم مغفور کو آپ سے رضامندی اور آپ پر اُن کی توجہاتِ عالیہ کو میں نے حدِ بیان سے زیادہ پایا۔ آپ کے حالات اکثر اوقات دریافت کرتے رہتے تھے۔

ابدالیوں کی جنگ کا واقعہ اور آپ کا عین اس ہنگامۂ قیامت خیز میں پہنچنا اور آپ کے قدومِ گرامی سے آتشِ فتنہ کا فرو ہو جانا، یہ سب باتیں بہت اپنی زبانِ دلفشاں سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ شاید آپ سے آخری ملاقات کی تمنا حضرت کے دل میں تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ الفاظ فرماتے:

"میر ابوسعید ارادۂ آمدن دارند۔ اگر زود برسند بہتر باشد۔"

میر ابوسعید آنے کا ارادہ کر رہے ہیں، اگر جلدی آجائیں تو اچھا ہو۔

صاحبِ من! حضرت کی ظاہری صحبت تو اب میسّر نہیں آسکتی۔ البتہ علوم دینیہ میں ان کی تصنیفات تو سے کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں [illegible] فقہ، کلام اور حدیث میں جیسے حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفا عن الخلفا، اور ترجمۂ قرآن، جن میں ہر کتاب کی کافی بڑی ضخامت ہے۔ ان کے علاوہ دیگر رسائل ہیں، جو حقایق ومعارف پر مشتمل ہیں، جیسے الطاف القدس، ہمعات، فیوض الحرمین اور انفاس العارفین وغیرہ۔ یہ کتابیں حضرت کے فیوض و برکات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ آپ اس بات کا عزم کریں کہ ان تمام کتابوں کو لکھوا کر رائج فرمائیں گے۔ یہ کام تھوڑی سی توجہ سے انجام پا سکتا ہے۔ معلوم نہیں اس قسم کی کتابیں گزشتہ دَور میں معرضِ تصنیف میں آئی ہیں یا

Marfat.com

نہیں۔ واللہ اعلم — اربابِ بصیرت ان کتابوں کی افادیت کا اقرار کرتے ہیں۔

حضرت (شاہ صاحب) کا کلام ہر باب میں اصولی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے ... اس فقیر کو اور صاحب زادگان گرامی نیز حضرت ممدوح کے تمام رفقائے کرام کو آپ کی حضرت سے محبت کے پیش نظر یہ یقین ہے کہ جیسے ہی آپ اس حادثۂ عظیمہ (یعنی شاہ صاحب کی وفات) کی خبر سنیں گے، دہلی کو روانہ ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے میں بھی آپ کی آمد کا منتظر ہوں۔ اگر آپ جلدی تشریف لائیں میں ملاقاتِ سامی سے مسرور ہو جاؤں۔ اگر تشریف لانے میں کچھ دیر ہو تو مطلع فرمائیں، کیوں کہ یہ فقیر بھی واپس وطن آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میاں محمد عاشق صاحب بعد سلام فرماتے ہیں کہ میر ابوسعید کو لکھو کہ حضرت اقدس (شاہ صاحب) کے جتنے مکتوبات بھی ان کے نام لکھے گئے ہیں، ان کی نقول ضرور بھیجیں تاکہ ان کو مکاتیب کے مجموعے میں شامل کیا جائے۔

حضرت میاں اہل اللہ صاحب اور دیگر حضرات نیز (شاہ صاحب کے) صاحب زادگان کی طرف سے سلام قبول فرمائیں۔

بڈھانہ میں حضرت اقدس کی خدمت میں بھائی محمد معین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی کیفیت بیان کر دی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لیے دعا کی اور نہایت افسوس کا اظہار فرمایا تھا۔

شاہ صاحب کے فرزندانِ گرامی

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اختصار سے بیان کیا جا چکا، مختلف علوم و فنون میں شاہ ولی اللہ کا مرتبہ بہت بلند تھا اور وہ ہر مسئلے میں گہری نظر رکھتے تھے۔ نواب صدیق حسن خاں ان کے فضل و کمال کی وسعتوں کا واضح الفاظ میں ذکر کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

Marfat.com

وانصاف این است کہ اگر وجود او در صدرِ اوّل و زمانۂ ماضی می بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ می باشد[۴۵]

یعنی انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر شاہ صاحب دورِ اوّل میں پیدا ہوتے اور زمانۂ ماضی سے ان کا تعلق ہوتا تو ائمۂ حدیث و فقہ کی عظیم المرتبت جماعت میں وہ امام الائمہ کے مرتبے پر فائز ہوتے اور انھیں مجتہدینِ کرام کے سر تاج گردانا جاتا۔

شاہ صاحب کی یہ بہت بڑی خوش بختی ہے کہ جس طرح انھوں نے تصنیفات کی صورت میں اپنے پیچھے علم و فضل کا عظیم الشان ذخیرہ چھوڑا، اسی طرح اولاد کی شکل میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص امتیاز بخشا۔ ان کی صُلبی اولاد میں چار بیٹے فضل و کمال کے بلند مرتبے کو پہنچے جنھوں نے اپنے عالی قدر باپ کے علمی سلسلے کو باقاعدہ جاری رکھا اور آگے بڑھایا۔

شاہ صاحب کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی شادی اپنے ماموں کی دخترِ نیک اختر سے ہوئی۔ اس خاتون سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام محمد تھا۔ مولانا محمد ایک عالم آدمی تھے اور شاہ صاحب کی وفات کے وقت زندہ تھے، لیکن لاولد انتقال کر گئے۔

پہلی بیوی کی وفات کے بعد شاہ صاحب کی دوسری شادی سونی پت کے ایک بزرگ سید تناء اللہ کی صاحب زادی سے ہوئی۔ اس نیک بخت خاتون کے بطن سے پانچ بچے متولد ہوئے۔ ایک بیٹی اور چار بیٹے، بیٹی کا نام امۃ العزیز تھا، بیٹوں کے نام علی الترتیب یہ ہیں: شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین شاہ عبدالقادر، اور شاہ عبدالغنی۔ ان کے حالاتِ مفصل سے وہ تو انشاء اللہ بشرط زندگی فقہائے ہند کی اگلی جلد (تیرھویں صدی ہجری کے ضمن میں) تحریر کیے جائیں گے لیکن موقعے کی مناسبت سے ان کا مختصر تعارف ذیل کی سطور میں کرایا جاتا ہے:

---

[۴۵] انتباہ فی سلاسل اولیاء ص ۴۳

شاہ عبدالعزیز : آپ حضرت ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔ ان کی ولادت ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) میں ہوئی۔ تمام علوم مروجہ کی باقاعدہ تحصیل کی۔ نہایت ذہین و فطین اور حاضر جواب تھے۔ باپ کی وفات کے بعد ان کی مسندِ درس پر متمکن ہوئے۔ ساٹھ برس تک طلبائے علم کو علمِ حدیث اور دیگر علومِ اسلامی کا درس دیتے رہے۔ ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامور حضرات کے اسمائے گرامی شامل ہیں، جنھوں نے بالخصوص علمِ حدیث کی بہت اشاعت کی۔ شاہ عبدالعزیز کے نرینہ اولاد نہ تھی۔ تین بیٹیاں تھیں، جن میں سے ایک کی شادی مولانا عبدالحی سے، دوسری کی شاہ رفیع الدین کے بیٹے مولانا عیسیٰ سے اور تیسری کی شیخ محمد افضل سے ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی تصنیفات کو اہلِ علم میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور مختلف مسائل میں ان کے حوالے دیے جاتے ہیں۔ انھوں نے اسّی سال عمر پائی اور ۷ شوال ۱۲۳۹ھ (۱۷ جولائی ۱۸۲۴ء) کو اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے۔

شاہ رفیع الدین : آپ شاہ ولی اللہ کے دوسرے فرزند تھے۔ ۱۱۶۳ھ (۱۷۴۹ء) میں پیدا ہوئے۔ علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں، تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ان کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا اردو زبان میں ترجمہ کیا، جو ہر حلقے میں مقبول ہے۔ ستر برس کی عمر کو پہنچ کر ۶ شوال ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ء) کو اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز کی زندگی میں انتقال کیا۔ اپنے والد بزرگوار کے قریب پائیں کی طرف مدفون ہوئے۔

شاہ عبدالقادر : شاہ ولی اللہ کے تیسرے بیٹے شاہ عبدالقادر تھے جو ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) میں پیدا ہوئے اور علوم نقلیوں میں مرتبۂ اجتہاد کو پہنچے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر فنونِ متداولہ میں خوب مہارت پیدا کی۔ نیکی اور تقوے میں ممتاز تھے۔ عزلت گزینی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ قرآن مجید کا اردو

ترجمہ ان کا رفیع الشان کام ہے - یہ ترجمہ ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۱ء) میں مکمل ہوا "موضح القرآن" اس کا تاریخی نام ہے - ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ء) میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اردو میں سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ شاہ رفیع الدین نے کیا یا شاہ عبدالقادر نے ۔!

شاہ عبدالغنی : شاہ ولی اللہ کے چوتھے فرزند شاہ عبدالغنی تھے انھوں نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح زیادہ شہرت نہیں پائی، لیکن اس کمی کو ان کے فرزندِ عالی قدر حضرت شاہ اسمٰعیل شہید نے پورا کر دیا - شاہ شہید نے شاہ عبدالعزیز کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور اپنے جدِ امجد حضرت شاہ ولی اللہ کے کمالاتِ علمی اور معارفِ روحانی میں درجۂ کمال کو پہنچے، اور پھر اپنے عمل و کردار سے اس کی خوب اشاعت بھی کی - انھوں نے اس برصغیر کے مسلمانوں کی مذہبی، دینی اور سیاسی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا اور اپنی خدماتِ نوع بنوع سے انوکھے اسلوبِ کار کی طرح ڈالی جس کی ضروری تفصیلات سلسلہ فقہائے ہند کی آئندہ جلدوں میں بیان کی جائیں گی - ان شاء اللہ العزیز -

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے فرزندانِ گرامی کا یہ مختصر سا تعارف ہے - پوری دنیا شاہ صاحب اور ان کی اولاد کے فیوضِ علمی و عملی سے بہرہ یاب ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی - ان کے حالات و سوانح کبھی بے شمار حضرات نے لکھے اور آئندہ لکھتے رہیں گے، لیکن افسوس ہے، اس وقت اس عالم آب و گل میں اس خاندان کا کوئی فرد موجود نہیں - نواب صدیق حسن خاں کی تصنیف "اتحاف النبلاء" ۱۲۹۸ھ میں طبع ہوئی تھی - وہ اس میں شاہ ولی اللہ کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں :

ولیکن دریں وقت ایں خاندانِ علم و کمال بتمامہا منقرض شدہ ہیچ یکے ازاں ہا باقی نماندہ[۴۶]

[۴۶] اتحاف النبلاء ص ۴۳۱

یعنی اس وقت یہ پورا خاندانِ علم وکمال ختم ہو چکا ہے اور ان میں سے کوئی شخص اس دنیا میں باقی نہیں ہے۔

قرآن مجید کا اردو ترجمہ

آج اردو زبان بے حد ترقی کر چکی ہے، بہت سے علوم وفنون اس میں منتقل ہو گئے ہیں اور یہ ایک علمی زبان بن گئی ہے۔ اس میں اب قرآن مجید کے بہت سے ترجمے موجود ہیں، جن سے ہم استفادہ کرتے ہیں، لیکن آج سے دو سو سال پہلے کے حالات کو سامنے رکھیے، جب اردو زبان بالکل ابتدائی مرحلے میں تھی، پورے ہندوستان میں اس زبان میں چند گنتی کی کتابیں لکھی گئی تھیں اور اہلِ علم اس میں تحریر و کتابت کی جرأت نہ کرتے تھے، اس لیے کہ نہ اس کے اصول وقواعد وضع ہوئے تھے، نہ یہ علمی زبان بنی تھی اور نہ اس میں الفاظ کا ذخیرہ موجود تھا۔ اس زمانے میں اردو زبان کو ترجمے کی زبان بنانا اور ترجمے کے لیے بھی قرآن مجید کا انتخاب کرنا علمی لحاظ سے بہت مشکل اور دل گردے کا کام تھا۔

ترجمے کے سلسلے میں یہ بات ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ ترجمہ کرنے والے کے لیے کم سے کم تین اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے۔

۱۔ جس زبان میں ترجمہ کرنا مقصود ہے، اس میں مہارت رکھتا ہو۔

۲۔ جس زبان سے ترجمہ کرنا چاہتا ہے اس پر عبور ہو۔

۳۔ جس موضوع کی کتاب ترجمے کے لیے منتخب کی ہے، اس موضوع کو خوب سمجھتا ہو۔

شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر بے شک عربی زبان کے ماہر تھے، مروجہ علوم وفنون میں بھی عبور رکھتے تھے، لیکن اردو زبان تو ان کے زمانے میں بالکل ابتدائی دور میں تھی اور اس کا دامن ابھی الفاظ وتراکیب کی وسعت سے مالا مال نہ ہوا تھا۔ اس میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنا محض نصرتِ خداوندی اور ان بزرگوں کی بے پناہ ذہانت وفطانت کی دلیل ہے۔

Marfat.com

بہرحال شاہ ولی اللہ صاحب کے فرزندانِ گرامی ـــــ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر ـــــ کی بہت بڑی دینی خدمت، قرآنِ مجید کا اردو ترجمہ ہے جس طرح خود شاہ صاحب نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کرکے عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، اسی طرح ان کے بیٹوں نے بھی یہ عدیم المثال خدمت انجام دی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

ی

۹۹۔ مولانا یار محمد لاہوری

بارھویں صدی ہجری میں خطۂ لاہور کے جن رفیع المرتبت علمائے کرام نے خاص طور پر شہرت و ناموری حاصل کی ان میں مولانا یار محمد کا اسم گرامی قابلِ ذکر ہے۔ مولانا ممدوح مسلکاً حنفی تھے اور اپنے وقت کے فاضل بزرگوں میں گردانے جاتے ہیں۔ لاہور میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور مختلف اساتذہ سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی۔ پھر حجاز کی ارضِ مقدس کا قصد کیا اور حج و زیارت کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔ بعد ازاں مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور خدمتِ دین کو مقصدِ حیات ٹھہرایا۔ اپنے گوناگوں اوصاف کی بنا پر لوگوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور بڑی عزت و تکریم کے مالک تھے۔ اسلامی معاملات میں نہایت جری اور غیور تھے۔ کوئی دینی مسئلہ پیش آتا تو اس پر عمل کو ضروری قرار دیتے اور اس سلسلے میں بڑی سے بڑی طاقت کی بھی پروا نہ کرتے۔ امورِ دینیہ کی اشاعت اور تائیدِ حق میں بحث و مناظرہ میں بہت تیز تھے۔

اس ضمن میں یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شاہ عالم سریر آرائے سلطنتِ ہند ہوا تو اس نے تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ مملکتِ ہند کی تمام مسجدوں کے خطیب خطبۂ عیدین اور خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کے ذکر میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیں تو ان کے ساتھ لفظ "وصی" استعمال کریں۔ اس حکم پر پورے ملک میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا اور مساجد کے خطیبوں اور عوام اہلِ سنت نے شدید احتجاج کیا اور مختلف مقامات میں سخت ہنگامے ہوئے۔ ان مقامات میں لاہور اور احمد آباد بھی شامل ہیں، یہاں کے لوگ میدان میں نکل آئے۔ احمد آباد میں تو سخت

Marfat.com

اشتعال پیدا ہوگیا اور نوبت قتل و غارت تک پہنچ گئی۔ لاہور میں بھی بہت ہنگامی صورتِ حال پیدا ہوگئی اور لوگ بادشاہ کے اس حکم کی برسرِ عام مخالفت کرنے لگے۔ علما میں مولانا یار محمد اور مولانا محمد مراد نے بادشاہ کے اس فرمان کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ مولانا یار محمد صورتِ حال کی وضاحت کے لیے لاہور کے قاضی کے پاس گئے اور کہا کہ بادشاہ یہ حکم واپس لے لے۔ جب معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر گیا تو خود بادشاہ نے علمائے لاہور سے گفتگو کی، اور اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کو موضوعِ بحث ٹھہرایا۔

مولانا یار محمد بہت محتاط اور متبع سنت تھے، وہی زیادہ تر بادشاہ سے گفتگو کرتے رہے۔ مسئلہ چونکہ نازک منزل میں داخل ہوگیا تھا اور اس میں خود بادشاہ کے ذاتی وقار اور حکم کا سوال تھا، اس لیے بادشاہ کی یہ کوشش تھی کہ اس حکم پر بہر حال عمل کیا جائے، مگر مولانا یار محمد یہ قطعاً برداشت نہ کرتے تھے اور ان کا انداز کلام اتنا سخت تھا کہ منتخب اللباب کا مصنف خافی خاں اسے "گستاخانہ" قرار دیتا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

حاجی یار محمد در ردِّ قولِ پادشاہ گستاخانہ و بے محابا پیش آمدہ با پادشاہ سوال و جواب می نمود، پادشاہ بر آشفتہ فرمودند کہ از غضبِ پادشاہاں نمی ترسی کہ چنیں خلافِ آدابِ مجلسِ سلاطین مبادرت بکلمہ و کلام می نمائی [1]

یعنی حاجی یار محمد نے بادشاہ کی بات کے رد میں گستاخانہ اور غیر مؤدبانہ انداز اختیار کیا اور بادشاہ کے حضور سختی سے گفتگو کی۔ بادشاہ اس سے بہت خفا ہوا، اور فرمایا کیا تم بادشاہ کے غضب سے نہیں ڈرتے، اور تلخ کلامی سے پیش آتے ہو جو کہ بادشاہوں کی آدابِ مجلس کے بالکل منافی ہے۔

مولانا یار محمد چوں کہ نہایت جرأت مند عالمِ دین تھے اور کلمۂ حق کہنے میں کسی کی پروا نہ کرتے تھے، بے محابا بولے۔

---

[1] ... ج ۲ ص ۶۸۲

Marfat.com

حاجی یار محمد در جواب گفت کہ من آرزوئے عطائے چہار چیز از واہب بے نخت خود داشتم، اوّل تحصیل علم، دویم حفظ کلام اللہ، سیوم حج، چہارم شہادت۔ الحمدللہ کہ از طرف عطائی سہ نعمتِ الٰہی کامیاب شدہ ام، آرزوئے شہادت باقی ماندہ، امید دارم کہ از توجہ پادشاہ عدالت اساس کامروا گردم۔[۵۲]

حاجی یار محمد نے جواب دیا کہ میں بارگاہِ خداوندی سے چار چیزوں کی آرزو رکھتا تھا۔ ایک حصولِ علم کی، دوسرے حفظ قرانِ مجید کی، تیسرے حج بیت اللہ کی، اور چوتھے راہِ خدا میں شہادت کی۔ الحمدللہ! کہ اللہ نے مجھے پہلی تین چیزوں کی نعمت کے حصول میں کامیاب فرما دیا ہے۔ اب آرزوئے شہادت باقی ہے۔ امید رکھتا ہوں کہ بادشاہ کی مہربانی سے اس نعمت کے حصول میں بھی کامیاب ہو جاؤں گا۔

اس نازک اور اہم مسئلے پر کئی روز تک بحث ہوتی رہی۔ اس اثنا میں تمام لوگ مولانا یار محمد کی حمایت پر اتر آئے اور بادشاہ کے حکم کی برملا مخالفت کرنے لگے۔ منتخب اللباب کا مصنف لکھتا ہے کہ خود بادشاہ کا بیٹا عظیم الشان بھی مولانا ممدوح کا حامی اور بادشاہ کا مخالف ہو گیا۔ چنانچہ بادشاہ نے گہری نظر سے حالات کا جائزہ لیا اور علما، عوام اور خود بیٹے کو اپنے خلاف پایا تو حکم واپس لے لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ لفظِ "وصی" شامل کرنے سے خطیبوں کو منع کر دیا۔

لیکن حالات کچھ ایسا رُخ اختیار کر گئے تھے کہ اگرچہ بادشاہ نے اپنا حکم واپس لے لیا تھا مگر لوگ مطمئن نہ ہوئے اور کثیر تعداد میں نمازِ جمعہ میں شریک ہوئے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ لفظ پڑھا گیا تو اس کے خلاف احتجاج کیا جائے گا، لیکن جب انھوں نے خطبۂ جمعہ سنا اور لفظِ "وصی" خطبے میں نہ پڑھا گیا تو اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ پھر جب بادشاہ کو یہ اطلاع پہنچی کہ لوگ مسجد

---

[۵۲] منتخب اللباب ج ۲، ص ۶۸۲

Marfat.com

میں ہجوم کر کے آگئے تھے تو اس نے شدید خفگی کا اظہار کیا اور مولانا یار محمد اور ان کے ساتھی علما کو گرفتار کر کے قلعے میں بند کر دیا۔ اس نے یہ قدم اس لیے اٹھایا کہ اسے شبہ تھا کہ لوگوں کو مسجد میں مولانا یار محمد اور ان کے رفقا نے بھیجا ہے۔ مگر بعد میں صورتِ حال معمول پہ آگئی اور گرفتار شدگان کو رہا کر دیا گیا۔

بہر حال مولانا یار محمد لاہوری اپنے عہد کے مشہور اور نامور عالم و فقیہ تھے [۵۳]

۱۰۴۔ شیخ یٰسین جون پوری

ارضِ ہند میں علم و فضل اور تصوف و سلوک کے لحاظ سے گزشتہ دور میں صوبہ یوپی کے شہر جون پور کو بڑی خصوصیت حاصل رہی ہے۔ وہاں کے اہلِ علم اور ذی فضل حضرات نے بے حد شہرت پائی اور تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور دیگر اوصاف و کمالات میں بلند مرتبے کو پہنچے۔ انہی حضرات میں ایک عالم دین شیخ یٰسین بن باقر عثمانی جون پوری مازندرانی بھی تھے۔ وہ جون پور میں پیدا ہوئے، وہیں نشو و نما پائی، اور حصول علم کے لیے الٰہ آباد پہنچے۔ وہاں شیخ محمد یحییٰ عباسی (متوفی ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۱۴۴ھ) اور ان کے لائق بیٹے شیخ محمد طاہر عباسی (متوفی ۲ جمادی الاولیٰ ۱۱۴۳ھ) کا سلسلۂ درس جاری تھا، اس میں شامل ہوئے۔ کتب درسیہ باپ بیٹے سے پڑھیں۔ شیخ محمد یحییٰ عباسی سے اخذِ طریقت بھی کیا اور ایک عرصے تک وہاں رہے، پھر جون پور واپس گئے اور شادی کی۔ کچھ مدت بعد بیوی کا انتقال ہو گیا تو گوشہ گیری کی زندگی اختیار کر لی اور پھر سفرِ حج پر روانہ ہو گئے۔ ۱۱۴۶ھ

---

[۵۳] منتخب اللباب کے علاوہ یہ واقعہ نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۴۱۱، ۴۱۶ میں بھی مرقوم ہے۔

Marfat.com

میں فریضۂ حج ادا کیا۔ اس زمانے میں مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات سندھی (متوفی ۲۶ صفر ۱۱۶۳ھ) کی مسندِ تدریس آراستہ تھی، اس میں شریک ہو گئے اور ان سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ پھر ہندوستان واپس آئے اور زندگی کے آخری دو سال فرخ آباد میں گزارے اور وہیں ۵ جمادی الاخریٰ ۱۱۸۳ھ کو وفات پائی۔[۴]

۱۰۱۔ مفتی یعقوب فرنگی محلی لکھنوی

علمائے فرنگی محل کی طویل فہرست میں مفتی یعقوب بن عبدالعزیز بن اسعد بن قطب الدین انصاری سہالوی لکھنوی کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔ ممدوح کا شمار بارھویں صدی ہجری کے ممتاز ہندی علما و فقہا میں ہوتا ہے۔ ان کا مولد و منشا لکھنؤ ہے۔ اپنے دور کے معروف عالم مولانا محمد حسن انصاری سہالوی لکھنوی (متوفی ۳ صفر ۱۱۹۹ھ) اور اپنے والدِ مکرم کے عمِ محترم اور عالمِ کبیر شیخ نظام الدین انصاری سہالوی (متوفی ۸ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ) سے کسبِ علم کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مسندِ درس پر فائز ہوئے اور علمِ فقہ اور دیگر علومِ متداولہ میں شہرت حاصل کی۔ ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ شیخ نظام الدین انصاری سہالوی کی زندگی ہی میں ان کا شمار اپنے عصر کے معروف علمائے کرام میں ہونے لگا تھا۔ ان کی علمی شہرت سے متاثر ہو کر وزیر الممالک صفدر جنگ ابو المنصور خاں نے ان کو لکھنؤ کے منصبِ افتا پر فائز کر دیا تھا۔

مفتی یعقوب علومِ دینیہ کا درس دیتے تھے اور امانت و دیانت میں نہایت مشہور تھے۔ انھوں نے ۶۳ سال عمر پائی اور ۱۱۸۷ھ کو لکھنؤ میں انتقال کیا۔[۵]

---

[۴] تجلی نور، ج ۲ ص ۴۸ تا ۵۱ — تاریخ شیرازِ ہند جون پور ص ۶۹۰ — نزہۃ الخواطر، ج ۶ ص ۴۱۹، ۴۲۰

[۵] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۰ — تذکرہ علمائے فرنگی محل ص ۲۰۵، ۲۰۶ — نزہۃ الخواطر، ج ۶ ص ۴۲۲ — احوالِ علمائے فرنگی محل ص ۸۱۳

Marfat.com

مراجع ومصادر

اس کتاب کی تصنیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

۱۔ صحیح بخاری : محمد بن اسماعیل بخاری۔ مطبع اصح المطابع، دہلی۔

۲۔ صحیح مسلم : امام مسلم۔ مطبع اصح المطابع، دہلی۔

۳۔ ابجد العلوم : نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع صدیقیہ، بھوپال، ۱۲۹۵ھ

۴۔ اتحاف النبلا : نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع نظامی، کان پور، ۱۲۸۸ھ

۵۔ احوال علمائے فرنگی محل، شیخ الطاف الرحمٰن۔ مطبع مجتبائی

۶۔ اخبار الصنادید : حکیم نجم الغنی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ

۷۔ ادبیاتِ سرحد : رضا ہمدانی۔ نیا مکتبہ، پشاور۔ ۱۹۵۳ء

۸۔ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ : پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ بہ ضمن "ٹیپو سلطان" مضمون غلام رسول مہر

۹۔ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ : پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ بہ ضمن "حافظ رحمت خاں" مضمون بزمی انصاری

۱۰۔ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ : پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ بہ ضمن "برکی" مضمون ڈاکٹر محمد جہاں گیر خاں

۱۱۔ اذکار الابرار : شاہ محمد تقی حیدر۔ شاہی پریس، لکھنؤ۔ ۱۳۵۷ھ

۱۲۔ ارمغان شاہ ولی اللہ : محمد سرور جامعی۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

۱۳۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین : شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مطبع احمدی، دہلی

۱۴۔ امداد فی مآثر الاجداد : شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مطبع احمدی، دہلی

۱۵۔ عطیۃ الصمدیہ فی الانفاس المحمدیہ : شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مطبع احمدی، دہلی

۱۶۔ انفاس العارفین : شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مطبع مجتبائی، دہلی۔ ۱۹۱۰ء

۱۷۔ البدور البازغہ : شاہ ولی اللہ دہلوی۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد (سندھ) ۱۹۷۰ء

Marfat.com

۱۸۔ تاریخ سلطنت خداداد میسور۔ محمود خاں بنگلوری۔ پبلشرز یونائیٹڈ، لاہور۔ ۱۹۴۷ء
۱۹۔ بزمِ تیموریہ : سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن۔ دارالمصنفین، اعظم گڑھ
۲۰۔ بزمِ سخن : سیّد علی حسن خاں۔ مطبع نامی مفید عام، آگرہ۔ ۱۸۸۱ء
۲۱۔ بوستانِ اخبار : سعید احمد مارہروی۔ مطبوعہ آگرہ۔ ۱۳۳۱ھ
۲۲۔ تاریخ برہان پور : خلیل الرحمٰن برہان پوری۔ مطبع مجتبائی، دہلی۔ ۱۳۱۷ھ
۲۳۔ تاریخ خورشید شاہی : غلام امام خاں ترین۔ مطبع خورشیدیہ، حیدرآباد دکن ۱۲۸۶ھ۔ ۱۸۷۰ء
۲۴۔ تاریخ شیراز ہند جون پور : سیّد اقبال حسین۔ ادارہ شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس، جون پور۔ ۱۹۶۴ء
۲۵۔ تاریخِ کشمیر اعظمی : خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کشمیری۔ ناشر، غلام محمد نور محمد
۲۶۔ تاریخ مشاہیرِ چشت : خلیق احمد نظامی۔ ندوۃ المصنفین، دہلی۔ ۱۹۵۳ء
۲۷۔ تاریخ معصومی : میر محمد معصوم بھکری۔ سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔ ۱۹۶۰ء
۲۸۔ تاریخ النوائط : نواب عزیز جنگ بہادر۔ عزیز المطابع، حیدرآباد دکن ۱۳۲۲ھ
۲۹۔ تجلّی نور المعروف تذکرہ مشاہیر جون پور : نورالدین زیدی۔ مطبع اعظم المطابع جون پور۔ ۱۸۸۹ء
۳۰۔ تحفۃ الکرام : میر علی شیر قانع۔ سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔ ۱۹۵۹ء
۳۱۔ تحفۂ کشمیر : منشی گنیش لعل دہلوی۔ مطبع کوہ نور، لاہور۔ ۱۸۵۳ء
۳۲۔ تذکرہ آثار الشعرا : سید محمد ممتاز۔ مطبع شاہ جہانی، بھوپال۔ ۱۳۰۴ھ
۳۳۔ تذکرۃ الشعرا : امیر دولت شاہ۔ مطبع مجیدی، کان پور۔ ۱۳۲۶ھ
۳۴۔ تذکرہ صوفیائے سندھ : اعجاز الحق قدوسی۔ اردو اکیڈیمی سندھ، کراچی ۱۹۵۹ء
۳۵۔ تذکرۃ العلماء والمشائخ : محمد الدین فوقؔ۔ گلزار محمدیہ اسٹیم پریس، لاہور۔ ۱۹۳۸ء

Marfat.com

۶۱۹۲
۳۶۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل : مولوی محمد عنایت اللہ۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۳۰ء
۳۷۔ تذکرہ علمائے ہند : رحمان علی ۔مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۹۱۴ء
۳۸۔ تذکرہ مشائخ بنارس : ابوالاثر عبدالسلام۔ ندوۃ المعارف، بنارس۔ ۱۳۷۱ھ
۳۹۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری : محمد علی حیدر۔ مطبع اصح المطابع، لکھنؤ۔ ۱۹۲۷ء
۴۰۔ تذکرہ مصنفین درس نظامی : اختر راہی۔ مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔ ۱۳۹۸ھ۔ ۱۹۷۸ء
۴۱۔ تفہیمات الالٰہیہ : شاہ ولی اللہ۔ مطبوعہ حیدرآباد (سندھ)۔ ۱۹۶۷ء
۴۲۔ تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار : نواب صدیق حسن خاں۔ مطبوعہ
بھوپال۔ ۱۲۹۸ھ
۴۳۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند : سید عبدالحی حسنی لکھنوی۔ مطبوعہ دمشق۔ ۱۹۵۸ء
۴۴۔ چمنستان شعرا : رائے لچھمی نرائن شفیق۔ مطبوعہ حیدرآباد (دکن)۔ ۱۹۲۸ء
۴۵۔ حجۃ اللہ البالغہ : شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ، لاہور۔ ۱۹۷۵
۴۶۔ حدائق الحنفیہ : مولوی فقیر محمد جہلمی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۳۲۴ھ۔ ۱۹۰۶ء
۴۷۔ حدیقۃ الاولیا : مفتی غلام سرور لاہوری۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۸۷۷ء
۴۸۔ حکایاتِ کشمیر : محمد الدین فوق۔ کریمی پریس، لاہور۔ ۱۳۴۷ھ — ۱۹۲۹ء
۴۹۔ حیات حافظ رحمت خاں : سید الطاف علی بریلوی۔ اکیڈیمی آف ایجوکیشنل
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی۔ ۱۹۶۳ء
۵۰۔ حیات العلما : سید عبدالباقی سہسوانی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۳۴۰ھ۔ ۱۹۲۲ء
۵۱۔ حیات ولی : مولانا رحیم بخش دہلوی۔ مکتبہ سلفیہ، لاہور۔ ۱۹۵۵ء
۵۲۔ تذکرہ ۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مکتبہ احباب، لاہور
۵۳۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین : شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مکتبہ سلفیہ، لاہور۔
۱۳۹۶ھ۔ ۱۹۷۶ء
۵۴۔ ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون : اسماعیل پاشا۔ مکتبہ بہیہ۔ استنبول۔

۱۹۴۵ - ۱۳۶۴ھ

۵۵۔ وارن ہیسٹنگز اور انگریزی راج: از ای۔ پی۔ مون۔ ترجمہ۔ سید اولاد علی گیلانی۔ ناشر۔ کتاب منزل، لاہور۔ ۱۹۵۱ء

۵۶۔ مومن، حالاتِ زندگی اور ان کے کلام پر تنقید: کلب علی خاں فائق رام پوری۔ مجلس ترقی ادب، لاہور۔ ۱۹۶۱ء

۵۷۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل: سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ناشر۔ حماد الکتبی، بیش محل روڈ۔ لاہور۔

۵۸۔ خزانۂ عامرہ: سید غلام علی آزاد بلگرامی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۹۱۴ء

۵۹۔ خزینۃ الاصفیا: مفتی غلام سرور لاہوری۔ مطبع نامی گرامی سراج پنڈت بیج ناتھ۔ وسوم بہ ثمر ہند، لکھنؤ۔ ۱۲۹۰ھ

۶۰۔ خلاصۃ التواریخ: لالہ سجان رائے بٹالوی۔ بہ تصحیح ظفر حسن، مطبع جی اینڈ سنز، دہلی۔ ۱۹۱۸ء

۶۱۔ رودِ کوثر: شیخ محمد اکرام۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔ ۱۹۷۵ء

۶۲۔ روضۃ الابرار: محمد الدین۔ سراج المطابع، جہلم۔ ۱۳۰۲ھ

۶۳۔ روضۃ الاولیا: غلام علی آزاد بلگرامی۔ مطبع اعجاز صفدری، حیدر آباد (دکن) ۱۳۰۱ھ

۶۴۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان: غلام علی آزاد بلگرامی۔ طبع بمبئی۔ ۱۳۰۳ھ

۶۵۔ سرو آزاد: غلام علی آزاد بلگرامی۔ مطبع مفید عام، آگرہ۔ ۱۹۱۰ء

۶۶۔ سفینۃ الاولیا: دارا شکوہ۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۸۸۴ء

۶۷۔ سید احمد شہید: غلام رسول مہر۔ کتاب منزل، لاہور۔ ۱۹۵۴ء

۶۸۔ سیر الاولیاء: محمد مبارک علوی المعروف امیر خرد کرمانی۔ مطبع محب ہند، دہلی۔ ۱۳۰۲ھ

۶۹۔ سیر المتاخرین: غلام حسین طباطبائی۔ نول کشور، لکھنؤ۔ ۱۲۸۲ھ

۷۰۔ طرب الامائل بتراجم الافاضل: مولانا ابو الحسنات عبد الحی لکھنوی۔ مطبع یوسفی، لکھنؤ۔ ۱۳۲۱ھ

۷۱۔ فرحت الناظرین (شخصیات) محمد اسلم لیسروری۔ ترجمہ و ترتیب، محمد ایوب قادری مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۷۲ء

۷۲۔ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ: مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی، مطبوعہ مصر۔ ۱۳۲۴ھ
۷۳۔ قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب: ذوالفقار احمد۔ طبع آگرہ۔ ۱۳۱۶ھ
۷۴۔ کلمات طیبات: ابوالخیر محمد بن احمد مرادآبادی۔ مطبع مجتبائی، دہلی۔ ۱۳۰۹ھ
۷۵۔ گل رعنا: سید عبدالحی حسنی لکھنوی: دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔ طبع سوم، ۱۹۷۴ء
۷۶۔ گلزار اولیا: مظفر حسین۔ مطبع سبحانی حیدرآباد (دکن) ۔ ۱۳۳۹ھ۔ ۱۹۲۰ء
۷۷۔ مآثر الامرا: شاہنواز خاں۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ۔ ۱۸۸۸ء — ۱۸۹۰ء
۷۸۔ مآثر عالمگیری: محمد ساقی مستعد خاں، نفیس اکیڈیمی، کراچی۔ ۱۹۶۲ء
۷۹۔ مآثر الکرام: غلام علی آزاد بلگرامی۔ مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ، لاہور۔ ۱۹۷۱ء
۸۰۔ محبوب ذی المنن تذکرہ علمائے دکن: عبدالجبار خاں ملکاپوری۔ مطبع رحمانی و حسن پریس، حیدرآباد (دکن) ۱۳۳۲ھ
۸۱۔ محبوب ذی المنن تذکرہ شعرائے دکن: عبدالجبار خاں ملکاپوری۔ مطبع رحمانی، حیدرآباد (دکن) ۱۳۲۹ھ
۸۲۔ مرآت احمدی: مرزا محمد حسن الملقب بہ علی محمد خاں بہادر۔ مطبوعہ کلکتہ۔ ۱۹۲۷ء
۸۳۔ مسلم الثبوت: قاضی محب اللہ بہاری۔ مطبع انصاری، دہلی۔ ۱۸۹۹ء
۸۴۔ مشاہیر ادب اردو: مہیش پرشاد۔ ناشر نند کشور اینڈ برادرز بنارس۔ ۱۹۳۲ء
۸۵۔ معمولات مظہریہ: نعیم اللہ بہرائچی۔ مطبع محمدی، لاہور۔ ۱۳۱۰ھ
۸۶۔ مقامات مظہری: غلام علی علوی مجددی۔ مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۰۹ھ۔ ۱۹۲ء
۸۷۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی: مطبع مجتبائی، میرٹھ۔ ۱۳۱۴ھ
۸۸۔ مقالات شبلی (جلد سوم): مرتبہ سید سلیمان ندوی۔ دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔ ۱۳۷۵ھ۔ ۱۹۵۵ء
۸۹۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی (جلد دوم): مولانا محمد میاں۔ مکتبہ محمودیہ، لاہور۔ ۱۳۹۷ھ۔ ۱۹۷۷ء
۹۰۔ منتخب اللباب: خافی خاں۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ۔ ۱۹۶۹ء

Marfat.com

۹۱- نزہۃ الخواطر (جلد ششم): سید عبدالحی حسنی لکھنوی - دائرۃ المعارف الا
حیدرآباد (دکن) ۱۳۷۶ھ - ۱۹۵۷ء
۹۲- نوائے معارک : عطا محمد شکارپوری - سندھی ادبی بورڈ، کراچی - ۱۹۵۹ء
۹۳- مصفیٰ و مسوّیٰ شرح موطا : شاہ ولی اللہ دہلوی - جدید قومی پریس، دہلی - ۶
۹۴- عملِ صالح (شاہ جہان نامہ): محمد صالح کنبو - مجلس ترقی ادب، لاہور
۹۵- کشف الظنون : (دو جلد) حاجی خلیفہ - مطبعہ بہیہ، استنبول - جلد اوّل طبع
۱۳۶۰ھ، جلد ثانی طبع ۱۹۴۳ء - ۱۳۶۲ھ
۹۶- نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ : (جزاوّل) ابو محمد عبداللہ بن یوسف حنف
طبع اوّل - ۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۸ء
۹۷- واقعاتِ دارالحکومت دہلی : (حصہ اوّل، دوم، سوم) بشیرالدین احمد
شمسی مشین پریس، آگرہ - ۱۳۳۷ھ - ۱۹۱۹ء
۹۸- ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین : (جلد اوّل) اسماعیل
بغدادی مطبعہ بہیہ، استنبول - ۱۹۵۱ء
۹۹- ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین وآثار المصنفین : (جلد ثانی) اسماعیل
بغدادی مطبعہ بہیہ، استنبول - ۱۹۵۵ء
۱۰۰- الیانع الجنی : محمد بن یحییٰ المدعو بہ محسن تیمی بکری ترہتی - مطبع صدیقی، بھ
۱۲۸۷ھ -
۱۰۱- شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات : خلیق احمد نظامی - ادارہ اسلامیات، لاہو
۱۰۲- روزنامہ امروز : لاہور، مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۶۰ء - مضمون، مولانا علم الدین سالک
۱۰۳- ہفت روزہ الاعتصام : لاہور، مورخہ ۴ و ۱۱ مارچ ۱۹۵۵ء - مضمون فیض الرحمٰن ا
۱۰۴- ماہ نامہ ترجمان الحدیث : لاہور، بابت ماہ مارچ ۱۹۷۹ء - مضمون ارشاد الحق ا
۱۰۵- ماہ نامہ الحق : اکوڑہ خٹک، بابت ماہ جنوری ۱۹۷۸ء - مضمون ڈاکٹر سید سعید اللہ
۱۰۶- ماہ نامہ الرحیم : حیدرآباد، بابت ماہ اگست ۱۹۶۳ء - مضمون مخدوم امیر احمد

Marfat.com

فقہائے ہند

جلد پنجم ——— حصّہ دوم

بارھویں صدی ہجری

محمد اسحاق بھٹی

اِدارۂ ثقافتِ اسلامیہ
کلب روڈ، لاہور

Marfat.com